داج

سمیرا حمید

زمین اپنی کوکھ میں بنجر ہو چکی تھی۔ جب سے اس کنویں کی کوکھ میں' کوکھیں اجڑنے لگی تھیں۔ پہلی قسم چوہدری عنایت نے کھائی تھی' پھر سب نے اس قسم سے اپنے پیٹ بھر لیے' خون سینت لیے' سانسیں دھونک لیں۔

ماسی نے مائیڑھ کو زہر دے دیا تھا۔ اور ماں.... وہ اپنے پیار کے فراق میں آہیں بھرتی بھرتی اس کے باپ کی زندگی جہنم بنا گئی تھی۔ پھوپھی شادی سے ایک رات پہلے گھر سے بھاگ گئی تھی مہندی کی رات پچھواڑے میں پھپھی نے جھٹکے سے ہاتھ کی چوڑی' پیر کی پازیب پھینک کر ماری تھی جسے وہ اتارنا بھول گئی تھی اس کا لمبا براندہ رات کے اندھیرے کا سانپ بنا' درخت کے پیچھے کھڑے عنایت کو ڈس رہا تھا۔

بارات کا پنڈال اجڑ گیا۔ گاؤں کی پگڈنڈیاں گھوڑے کی نعلوں سے اجڑی ہوئی ملیں۔ وہ رانجھا رانجھا کرتی' پیچھے جھوک سیال چھوڑ گئی تھی۔ عشق کی آگ سے سب جلا کر' جدائی کے بچھو کنویں کے پینڈے میں چھوڑ کر وہ اپنے یار کی پشت سے لگی' گھوڑے کے ٹاپوں تلے گاؤں کی ایک ایک لڑکی کو روند گئی تھی۔

چھوٹی پھوپھی کو بھادوں میں سانپ سے ڈسوا دیا۔ ماگھ میں تیسری کی لاش ٹاٹے سے نکلی۔ اس کے باپ نے' اپنے باپ کے ساتھ مل کر پھوپھیوں کے جنازے نکال کر عزت کے جنازے بچا لیے۔

تب وہ بچہ تھا.... بڑا ہوا تو سب سمجھ گیا۔

ان کے ڈنگروں کا رکھوالا اس کی پھوپھی کا یار تھا۔ تانے کا منشی' حرامی شہری بابو' انگریزوں کا ٹٹو اس کی ماسی کا...

اس کنویں میں پہلی بچی اس نے اپنی ماں کے نام پر پھینکی تھی جو اس کے باپ کو چاٹ گئی تھی۔ پھر ماسی' پھر پھپھی اور چوتھی اس لیے کہ اس نے تین بھی تو پھینکی تھیں۔ اس کی بیوی رضیہ راکھ کی پوٹلی بن گئی تھی۔ سیاپا دینے لگی تھی۔ گاؤں کے پچھواڑے کنویں کی طرف منہ کر کے سوتی تھی' جہاں پانی کی پشت پر

اس کی بچی آنکھیں موندے پڑی تھی۔

ہر عورت بغل کا سانپ تھی۔ رت کی سیاہی کی بدکردار تھی۔ انگ کی چتی' ہر عورت ـــ یار کی بھی بنی دکھائی دینے لگی تو گاؤں کے ایک ایک مرد نے کنویں کی راہ دیکھ لی اور ایک ایک ماں کے دل میں لگی گانٹھ شروع کر دی۔

کئے سالوں میں صرف تین بچیاں کنویں کی کوکھ سے محفوظ رہی تھیں۔ نویں مہینے کمہاران بچی کو پیٹ میں ہی لیے قبر جا سوئی تھی۔ ایک وہ اور ایک دودھی کمالے کی۔ اس نے جیسے ہی بچی کی طرف ہاتھ بڑھایا' اس کی نئی نویلی دلہن نے نیلا تھوتھا چاٹ لیا تھا۔ مسکین بچی دودھ کے لیے بلک بلک کر مر گئی اور آخری

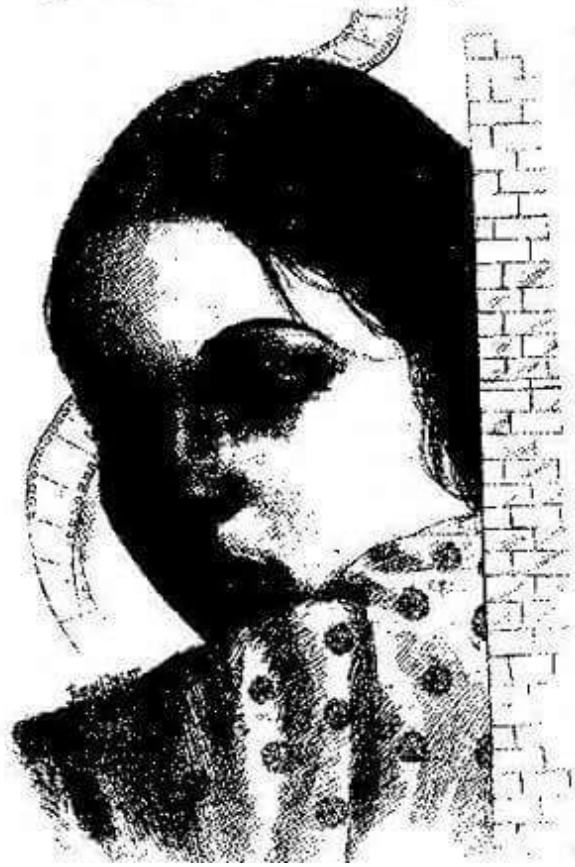

وہ جس کے پیدا ہونے سے دو دن پہلے پانی کی لڑائی میں اس کا باپ مر گیا تھا۔

بچی منحوس تھی۔۔۔ گاؤں کی گلیوں میں کھیلتی پھرتی تھی۔ جھلی بھی۔۔۔ مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ اول فول بکتی رہتی تھی۔۔۔ پھر بھی سارے گاؤں کی مائیں اس پر واری صدقے جاتی تھیں۔ اسے روک روک کر سینے سے لگاتی تھیں۔ اپنی کلثوم، شیداں، جمیلہ، ثریا، بختاں کو۔ اس کے منہ کو چومتیں اور اپنے داج کے زرتار کپڑے کاٹ کاٹ کر اسے گڈے گڑیا بنا بنا کر دیتیں۔۔۔

داج۔۔۔ جو کسی کو نصیب نہیں ہونے والا تھا۔۔۔

نہ ٹانکے۔۔۔ نہ تگندے۔۔۔ گوٹا کناری اور نہ ہی سوت کے ڈھیر۔۔۔

اب گاؤں میں ایک ساتھ نو عورتیں کچے دل اور پکے پیٹ سے تھیں۔

نو عورتیں۔۔۔ گاؤں کی ساری ماؤں کے دل اپنے پیٹ میں سمیٹے ہوئے تھیں۔ سب کی کوکھ میں لڑکیاں تھیں۔ سب سیانی اور سیانے جان گئے تھے۔ گاؤں بھر میں سانپ پھنکارتے پھرتے تھے۔ ماؤں کی کمریں جھک آئی تھیں اور کبیدگیوں کے دل کا بغض ہر مرد کی آنکھ میں سمٹ آیا تھا۔

گاؤں مردوں سے بھرا پڑا تھا اور کنواں عورتوں سے۔۔۔

ندی کے دو کنارے آملنے والے تھے، لیکن کنویں کا منہ اب بند ہونے والا نہیں تھا۔ چوہدری عنایت کی حویلی سے نکلی، پچھل پائی گاؤں کے ہر گھر کی چوکھٹ پر کھڑی تھی۔ گاؤں کے سارے مردوں نے اپنی راہیں پچھواڑے کے اس کنویں کے لیے کھول لی تھیں۔

رات کے اندھیرے میں درخت کی شاخ کے ساتھ لالٹین لٹکاتے، کنویں کے رکے ہوئے پانی میں سڑاپ کی آواز للکار سے بیدار کرتے اور لکڑی کے تختے سے کنویں کا منہ بند کرتے ان کے سینے غرور اور جی داری سے پھول جاتے تھے۔

دو دن گاؤں مرگھٹ کی آندھی بنا رہتا۔۔۔ مائیں بین کرتیں۔۔۔ کرلاتیں، واویلا کرتیں اور پھر جا کر کنویں کی منڈیر کو زبان سے چاٹنے لگتیں۔ کنویں کی پگڈنڈیوں کی مٹی پانی میں گھول گھول کر پیتیں۔۔۔ گھر کی کوٹھڑیوں میں صندوقوں میں رکھے اپنے داج کے کپڑے تار تار کرتیں۔۔۔

لیکن پھر اگلی بار بھی۔۔۔ درخت کے ساتھ ایک لالٹین جھولتی۔۔۔

گاؤں کی باس میں عورتوں کی آہیں سسکتی تھیں۔ تندوروں میں ان کے کلیجے جلتے تھے۔ بھٹی کے کوئلے ان کی کوکھوں میں سلگتے تھے۔ مردوں کے سنگ ان کے دل کچلتے تھے۔ ان کے لمس انہیں تار تار کرتے تھے۔

اس پر بھی یہ عورتیں پھر سے امید سے تھیں۔۔۔

گاؤں میں کبھی کسی دوسرے گاؤں کی لڑکی بیاہ کر نہیں آئی تھی۔ کوئی دوسرا گاؤں والا یہاں اپنی لڑکی دیتا ہی نہیں تھا۔ دوسرے گاؤں، قصبوں میں رہنے والے چاچے، مامے ہی رشتہ کرر ہے تھے۔ لڑکوں کی بہتات تھی۔ گورے صاب آئے تھے، پولیس بھی آئی تھی، لیکن سارا گاؤں ایک مٹھ ہو گیا تھا۔ مردوں نے آنکھیں نکال لی تھیں اور عورتوں نے گھونگھٹ۔ کوٹھڑیوں میں انہیں دھکیل کر، انہوں نے باہر سے تالے لگا دیے تھے۔

کنویں کی تلاشی لی گئی تو سانپوں نے کھوجی کو دس فٹ نیچے نہیں اترنے دیا تھا۔ ہٹلر نے گورا صاب پر ہلا بول دیا۔ گورے سب بھول بھال دشمن کے ساتھ دو بدو جنگی ہو گئے۔

کنویں کا منہ کھلا رہا۔۔۔ دو بدو جنگ کے آثار کہیں ظاہر نہیں ہوئے۔۔۔

دشمن بھی تھا۔۔۔ ظالم بھی۔۔۔ وار بھی، لیکن ہتھیار کند رہے۔۔۔

تو گاؤں کی نو عورتیں امید سے تھیں اور سب بیٹیاں پیدا کرنے والی تھیں۔ ساری بیٹیاں کنویں میں پھینکی جانے والی تھیں۔ ہرماں نے جان لیا تھا۔ رات کے پچھلے پہر، پچھل پائی کا پھیرا ہونے والا تھا۔۔۔ ممتا کی ہر سسکی نے الٹے پیروں کا ہر نشان بھانپ لیا تھا۔

دل ابھی سے بھٹی کا کوئلہ ہو گیا تھا۔

ایک ایک کس — بائیں آنکھ میں پھڑکنے لگی تھی۔۔۔

ایک ایک کوکھ اجڑنے والی تھی۔۔۔ کنویں کی دیواروں سے لپٹا ایک ایک سانپ' پانی کی قبروں کا رکھوالا بننے والا تھا۔

✲ ✲ ✲

بختاں نو سال کی ہو چکی تھی۔ نوری بارہ اور ثریا کے لیے چاچی حاجراں کنویں پر جا کر گوٹا کناری لگا لال دوپٹہ پھینک آئی تھیں۔ مہندی کا کٹورا۔۔۔ سہاگ کا جوڑا اور سہیلیوں کے لیے چھوہارے بتاشے۔

جب مرد دور میلوں پر جاتے تھے۔ تو عورتیں کنویں کی منڈیر پر گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتی تھیں۔ سپارے' نفلین پڑھتیں' لمبی لمبی دعائیں کرتیں اور کنویں کے گدلے بدبودار پانی میں ایسے جھانکتیں جیسے بیاہ کر پرایا دھن ہوئی بیٹی کی واپسی کے انتظار میں کملی دھملی ماں' نظر کا نور گنوا بیٹھی ہو۔

"کملیاں۔۔۔" پیچھے رہ جانے والے بڈھے زمین پر ڈانگ مار مار کر کہتے۔

کملیوں نے پندرہ سالہ ثریا کے لیے سہاگ کے گیت بھی گائے۔

نہ کچھ پردے میں رہا۔۔۔ نہ سب ظاہر ہوا۔ آس پاس کے گاؤں والیاں ڈرتے ڈرتے آتیں اور گاؤں کی عورتوں کا حال احوال پوچھ کر چلی جاتیں۔

"پگلا گئی ہیں سب۔۔۔"

شوکت اپنی نئی نویلی دلہن کو لے کر بھاگ گیا تھا' لیکن جس گاؤں اس نے جا ڈیرا لگایا۔ اس کے سب مرد اسے کمینے' بُھیلے' بے غیرت لگے۔ عورتیں بے شرم' کم ذات۔ شام ڈھلے زینب کی آنکھ کا سرمہ اور سرخ پراندہ' اس کی آنکھ میں کھٹکنے لگا۔ ابھی ساتواں مہینہ تھا کہ وہ سمجھ گیا کہ چوہدری عنایت نے کنویں میں ان چنڈالوں کو کیوں جھونکنا شروع کیا تھا۔ عورت ذات ہے ہی جہنم کی راکھ۔۔۔ بے حیا۔ اس کے گھر کی چوکھٹ ہر نظر پار کرنے لگی ہے۔ ایسے ہی تو اس کے گھر کے باہر دو حرامی ہیر گاتے ہوئے نہیں گزرتے۔۔۔ بلھے شاہ پڑھتے پڑھتی گاؤں کے سارے کنجر' سوہنی کے ہجر کے ہو کے بھرنے لگے تھے۔

وہ گاؤں واپس آ گیا۔۔۔ تین بیٹوں کا باپ بن کر۔۔۔ اور دو بیٹیوں کی ماں بنی زینب۔

مٹی سے اٹے گاؤں میں' خون سے لتھڑی مائیں رہنے لگیں۔ ایک ایک ماں کا دل کنویں کے تھال میں پڑا تھا۔ ایک ایک بیٹی کی سانس' ان کی سانس پر طعنہ زن تھی۔ پھٹکار تھی۔ لعنت ملامت تھی۔ ایک ایک کی داج کی چنی' لال پراندہ' سہاگ کا گیت' ان پر قہر تھا۔ کنویں کے پیندے کے رکھوالے سانپ' گاؤں کی ایک ایک ماں کو ڈسنے کے لیے بے تاب تھے۔

کنویں کا دہن۔۔۔ وہ ابھی بھی کھلا پڑا ہے۔۔۔

نو عورتیں پکے پیٹ سے ہیں۔۔۔

جاڑے کی راتوں نے سارے گاؤں کو اماوس کر دیا۔ صبح گجر دم کنویں سے سانپ نکلتے دکھائی دینے لگے۔ عورتوں کی ٹولیوں نے دم سادھ لیا تھا۔ وہ اپنے اپنے چرخے لے کر بیٹھ جاتیں اور کاتے جاتیں' کاتے جاتیں۔۔۔ سرخ سوت۔۔۔ جہیزوں کی دریاں' کھیس۔۔۔ ان کے چرخوں کی ہوک نے سارے جگ کو کاٹ ڈالا تھا۔۔ جو داج کسی کو بھی نصیب ہونے والا نہیں تھا' وہ صبح سے شام تک بننے لگا تھا۔

مردوں کو روٹی پانی دیتے ہوئے اب ان کی آنکھیں چڑھنے لگی تھیں۔ نالے میں ان کے کپڑے دھوتے دھوتے انہیں اپنے ہاتھ غلیظ لگنے لگے تھے۔ گھڑوں سے کٹورے بھر بھر پانی نکھٹوؤں کو پلاتے' ان کے ہاتھ ٹیڑھے ہونے لگے تھے۔ کوٹھریوں کو جندرے (تالے) لگا لگا' انہوں نے کند دھاروں کو تیز کرنا شروع کر دیا تھا۔۔۔

سیانے بھانپ رہے تھے۔۔۔ ہوا الٹی چلنے لگی ہے۔۔۔ کنویں کی منڈیر پر اب بڑی چوڑیاں ٹوٹنے لگی ہیں۔۔۔ دن ڈھلے' شام پڑے' اب سب کی سب کنویں پر راضی نامے کرنے لگی ہیں۔ اپنے گھڑوں کے دم

شدہ پانی وہ کنویں میں الٹنے لگی ہیں۔
سوت کا سوت اب ایک ایک چرخے کی پلی پر چڑھنے لگا ہے۔
مردوں کی آنکھوں میں تندی آنے لگی تھی' جیسے گاؤں میں ایک ساتھ کئی بلوائی آگئے ہوں۔ کنویں کی طرف جاتی کچی پگڈنڈی پکی ہونے لگی تھی۔ جہاں دھول اڑتی تھی' وہاں اب گھاس اگنے لگی تھی۔ کوّے منڈیر پر بیٹھ کر کاں کاں کرنے لگے تھے۔ باجرے کے کٹوروں' چڑیوں کے ڈیروں نے جنگل میں منگل کردیا تھا۔ گاؤں کا پچھواڑا' آباد ہونے لگا تھا۔ اب ان کے میلوں میں جانے کی راہ نہیں دیکھی جاتی تھی۔ قرآن پاک ہاتھ میں لیے گھڑوں سے پانی نکال نکال کر وضو کرتے' ان کے دل کا خوف' ان کی آنکھ کی للکار بن گیا تھا۔
مویشیوں کو تاؤ دیتے' کلہاڑیوں سے لکڑیاں چیرتے' کدال سے کھیتوں کو پانی کی راہ دکھاتے' انہیں سب نظر آرہا تھا۔ عورتوں کی چال میں جو چڑیلیں غرانے لگی تھیں اور ان کی زبان پر جو خون چڑھ آیا تھا۔۔۔ سب۔۔۔

☆ ☆ ☆

کنویں کی منڈیر انتظار میں تھی اور درخت کے ساتھ لالٹین جھول جانے کو تھی۔۔۔
رات کے تیسرے پہر دائی جیناں نے صغراں کے پہلو میں روتی بلکتی بچی کو رکھا۔ صغراں نے بچی کو اٹھا کر سینے سے لگالیا۔ بچی پوری جان سے چیخ رہی تھی۔
"جامائی! گھر جا۔"
دائی جیناں نے اگلی بات نہ کی اور اپنی سہارے کی ڈانگ کو زمین پر دے دے کر مارتی' اپنا لنگڑا پیر گھسیٹتی سارے گاؤں کی عورتوں میں بچی کی پیدائش کا اعلان کرنے لگی۔
گاؤں کا ہر مرد سو رہا تھا' گاؤں کی ہر عورت جاگ رہی تھی۔ کچھ چھتوں پر کھڑی تھیں' کچھ دروازوں کی درزوں سے اس کنویں کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ کنویں سے سارے سانپ نکل آئے تھے اور ایک ایک ماں کے سامنے پھن اٹھائے کھڑے تھے کہ وہ مچوکیں اور وہ اپنا زہر ان کی نس نس میں بھردیں۔
غنودگی سے صغراں نے آنکھ جھپکی۔ بچی اس کے سینے پر پڑی سسک رہی تھی۔ کوٹھڑی کی چوکھٹ پر وہ لالٹین لے کر کھڑا تھا۔ اس نے آنکھ کھول کر' چوکھٹ کے شیطان کو دیکھا۔۔۔
دور۔۔۔ بہت دور کنواں بھی اسے صاف نظر آیا۔۔۔ اس کی منڈیر کے سائے میں گڈے گڑیاں کھیلتی اپنی رشیداں' اماسی کی بختاں اور دلہن بنی بیٹھی ثریا۔۔۔
اس نے آنکھیں بند کرلیں اور اپنے ہاتھ بچی پر اور سختی سے ٹکالیے۔۔۔
ایک وہ پہلے ہی دے چکی تھی۔ ایک اس کے سینے پر پڑی تھی۔ کنویں کا پیٹ بھرنے والا نہیں تھا۔ کنویں کی منڈیر ٹوٹنے والی نہیں تھی۔ سانپوں نے کنویں کے خزانے کی رکھوالی سے اپنی چوکیداری اٹھالی تھی۔۔۔
لالٹین چوکھٹ پر چھوڑ کر اس نے اپنے پیر اندر گھسیٹے اور ماں کی بند آنکھ کے سائے تلے سے بچی کو سینے سے اٹھالیا۔
تکیے کے نیچے سے صغراں نے تلوار کی دھار جیسا تار اٹھالیا۔۔۔

☆ ☆ ☆

بٹوارے سے ذرا پہلے' گاؤں اجڑنے کے ذرا دیر بعد' سرکاری پٹواری کے کاغذوں کی پوٹلی کنویں میں جاگری تھی۔ پٹواری کی جان پر بن آئی تھی۔ چھ بندے کنویں کے پیندے میں اتارے۔ گند نکال نکال کر زمین پر ڈھیر کیا۔ پٹواری کو اپنی پوٹلی تو بڑی جلدی مل گئی' لیکن اسے اس افتاد کی خبر بڑی دیر بعد ملی کہ مردوں کے ہاتھوں کے پنجر کے ڈھیر کے ڈھیر کنویں کے پیندے تک کیسے پہنچے۔
ثریا کے باپ کے۔۔۔ شیداں کے چاچے کے۔۔۔ جمیلہ کے دادے کے۔۔۔ بختاں کے بھائی کے۔۔۔
داج کا سوت کاتتے کاتتے' ماؤں نے تاتروں کی دھار بھی تیز کرلی تھی۔ کنویں کی کنواریوں کے داج کی تیاری انہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر کی تھی۔

☆